تاریخ الفقہ

تاریخِ تدوینِ فقہ

سید محمد عمیم الاحسان مجددی

دوسری صدی کی دوسری چوتھائی سے تدوین فقہ کی ابتدا ہوئی' اس وقت سے اب تک فقہ اسلامی کو ہم تین ادوار پر تقسیم کر سکتے ہیں۔

پہلا دور۔ دورِ تدوین واجتہاد:

اس دور میں امام ابوحنیفہؒ نے باضابطہ تدوین فقہ کی ابتدا کی اور اپنی زندگی میں اس کی تکمیل بھی کر دی' جس کی تفصیل ابھی بیان کی جائے گی۔ امام ابوحنیفہؒ کے بعد دوسرے ائمہ فقہ نے بھی اپنی فقہ مدون کی اور فقہی مسائل پر مستقل کتابیں لکھی گئیں۔

اس دور کے چند مخصوص اصحاب مذاہب فقہاء کی فقہی سیادت امت نے تسلیم کی' امت کی بڑی بڑی جماعتوں نے ان کی مدون فقہ کی پیروی شروع کر دی۔ قضاۃ ان کی فقہ کے مطابق فیصلے کرنے لگے' عوام خاص ائمہ کی تقلید کرنے لگے۔ اگرچہ سلسلہ اجتہاد عام طور پر جاری تھا۔ اس دور کے مخصوص ائمہ کے اہل اجتہاد مشہور تلامذہ بھی ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے اساتذہ کی فقہ کی اشاعت کی اس پر کتابیں لکھیں' ان کی آراء کی تشریح کی' ان کے اصول پر مسائل کی تخریج کی اصولِ فقہ کی تدوین بھی اسی دور میں ہوئی۔ یہ دور دوسری صدی کے ربع دوم سے شروع ہو کر تیسری صدی کے آخر میں ختم ہوا۔

دوسرا دور۔ دورِ تکمیل وتقلید:

اس دور میں تقلید عام ہوگئی۔ پہلے دور کے مخصوص ائمہ کی فقہ پر بڑی بڑی کتابیں لکھی گئیں' کثرت سے فقہی مسائل پیدا ہوئے' ان کی تخریج کی گئی۔ اس دور میں اجتہاد کو درجہ تخریج تک منحصر کر دیا گیا۔ مخصوص مذاہب کے مقلدا کابر ائمہ پیدا ہوئے اس دور میں مسائل کی تحقیق میں جدل کی خوب گرم بازاری رہی یہ دور چوتھی صدی سے شروع ہو کر ساتویں صدی تک رہا۔

تیسرا دور۔ دورِ تقلیدِ محض:

اس دور میں اجتہاد کا سلسلہ تقریباً بند ہو گیا، عوام و خواص سب مخصوص مذاہب کے مقلد ہو گئے۔ ہر مسئلہ میں دورِ اول اور دور دوم کے ائمہ کے آراء کی تلاش ہونے لگی۔ یہ دور ساتویں صدی کے بعد شروع ہوا اور آج تک قائم ہے۔(۱)

دور تدوین فقہ و اجتہاد:

دوسری صدی کا ربع اول ختم ہو چکا تھا' اسلامی دنیا کی تہذیب و تمدن میں خود بڑی وسعت پیدا ہو چکی تھی' سادہ اسلام کو دنیا کی متمدن اقوام کی تہذیب و تمدن اور علوم سے سابقہ پڑ رہا تھا' نئے نئے حالات اور مسائل پیدا ہو رہے تھے' ساتھ ہی خود مسلمانوں نے نظریہ اجتہاد اور اصول و فروعی مسائل میں غیر منظم اختلاف روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا' ایسے پراگندہ اور بدلے ہوئے حالات میں امام ابوحنیفہؒ کو سب سے پہلے فقہ اسلامی کی تدوین کا خیال پیدا ہوا اور وہ اہل علم کی ایک جماعت کے ساتھ اس طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت سے یہ دور شروع ہوتا ہے' اس دور میں اجتہاد عام تھا۔ یہ دور تیسری صدی کے اختتام پر ختم ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ النعمان نام ابوحنیفہ کنیت نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ نسب ماہ فارسی الاصل مرزبان یعنی رئیس شہر تھے۔ زوطی خلافت علوی میں دولت اسلام سے مشرف ہوئے۔ اسلامی نام نعمان پڑا۔ اپنے وطن سے ہجرت کی' اسلامی حکومت کے دارالخلافہ کوفہ پہنچے' بارگاہِ علوی میں حاضری دی' وطن کا تحفہ ''فالودہ'' نذر گزارا اور اپنے نہایت کمسن بچے ثابت کے لئے دعا چاہی۔ باب العلم شاہِ ولایت حضرت علی مرتضیٰؓ نے دعائے خیر دی۔(۲)

ثابت بڑے ہوئے تو انہوں نے خز کی تجارت شروع کی' ۴۵ برس کی عمر میں کہ ۸۰ھ تھا' اللہ نے بابرکت فرزند عطا کیا' دادا کے نام پر نعمان رکھا' بڑے ہوئے تو باپ کی تجارت کو ترقی دی' اللہ نے بڑی عزت اور برکت دی' آخر عمر تک بڑی دولت کے مالک رہے' اپنے علمی کمالات کی وجہ سے امام اعظم کہلائے۔

۱۔ اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا، جدید فقہی مسائل میں اجتہاد آج بھی جاری ہے۔(ادارہ فقہ اسلامی)

۲۔ تاریخ خطیب' ص ۳۲۸' ۱۳۲

امام ابوحنیفہؒ تقریباً بارہ یا تیرہ سال کے تھے کہ حضرت انسؓ خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر ان سے حدیث نہیں سنی۔(۱)

سترہ سال کی عمر ہوئی تو تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ طباع ذہن نے عقائد کی اہمیت کے خیال سے علم کلام کی طرف مائل کر لیا بہت جلد اس میں کمال و خصوصیت حاصل کر لی' اسی زمانے میں قرآن فہمی پر بھی امامؒ کو کافی عبور حاصل ہو گیا۔ پھر اس کو دیکھتے ہوئے کہ عملی دنیا میں فقہ کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے' عوام اور حکومت سب کو اس کی ضرورت ہے' دین اور دنیا کی حاجتیں اس سے وابستہ ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد خلافت میں فقہ کی طرف متوجہ ہوئے۔

کوفہ اہم اسلامی شہر تھا' حضرت عمرؓ کے حکم سے آباد ہوا' تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہؓ وہاں آ کر بسے جن میں چوبیس بدری تھے۔ فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا معلم بنا کر بھیجا تھا۔

تقریباً دس برس تک اہل کوفہ ان سے مستفید رہے' مسائل فقہ اور حدیث کا چرچا گھر گھر تھا۔ خلیفۂ چہارم باب مدینۃ العلم حضرت علیؓ نے کوفہ کو دارالخلافہ بنایا' ان سے بھی اہل کوفہ کو علمی فیض پہنچا۔ کوفہ چونکہ عرب و عجم کے سنگم میں واقع تھا' وہاں مختلف ثقافتیں جمع تھیں اس لئے وہاں نئے نئے مسائل کی تحقیقیں ہوتی رہتی تھیں۔

حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے علوم و فتاویٰ بالواسطہ حضرت ابراہیم نخعی کو پہنچے گویا کوفہ میں وہ ان دو بزرگوں کی زبان تھے۔ امام ابراہیم نخعی کی جانشینی' حضرت حماد بن ابی سلیمان کو ملی' وہ مسائل نخعی کے حافظ تھے۔

امام ابوحنیفہؒ غالباً ۱۰۰ھ میں امام حماد کی درسگاہ میں حاضر ہوئے' استاد نے جوہر قابل دیکھ کر توجہ سے پڑھانا شروع کیا' امام ابوحنیفہؒ اپنی جودت طبع' ذہن رسا اور قوت حفظ کی وجہ سے ہمیشہ اپنے اقران پر سب سے فائق رہے' بہت جلد انہوں نے تکمیل کر لی۔ پھر بھی کم و بیش بیس سال تک جب تک استاد زندہ رہے' استاد سے تعلق استفادہ قائم رکھا۔ مسائل میں بحث و حل' تحقیق و امعان کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

۱۔ کیونکہ اہل کوفہ کے یہاں بیس برس سے قبل سماع حدیث کا دستور نہیں تھا۔

امام ابوحنیفہؒ نے یہ دیکھتے ہوئے کہ علم حدیث کی تحصیل کے بغیر فقہ کی مجتہدانہ تحقیق جس کی ان کو طلب تھی، ممکن نہیں، زمانہ تحصیل فقہ میں علم حدیث کی طرف بھی توجہ کی اور کوفہ کے اکثر محدثین سے حدیثیں سنیں، بسلسلۂ تجارت بصرہ، شام اور دوسرے ملکوں میں بھی جانا پڑتا تھا، وہاں کے مشائخ حدیث سے بھی حدیثیں سنیں۔

حج (۱) و زیارت کے لئے حرمین شریفین بھی تشریف لے گئے اور وہاں کے مشاہیر ائمہ سے بھی حدیث کی سماعت کی۔

ابوالمحاسن نے امام ابوحنیفہؒ کے ترانوے مشاہیر مشائخ حدیث کے نام لکھے ہیں، ابوحفص کبیر نے چار ہزار مشائخ بتائے۔ معجم المصنفین میں امام صاحب کے مشائخ حدیث کی طویل فہرست دی ہے جس میں تین سو سے زیادہ نام ہیں، خیرات الحسان میں ابن حجر الہیثمی فرماتے ہیں:

ان شیوخه کثیرون لا یسع هذا المختصر وقد ذکر منهم الامام ابو حفص الکبیر اربعة الاف شیخ وقال غیره له، اربعة الاف شیخ من التابعین فما بالک بغیرهم۔

بلاشبہ امام ابوحنیفہؒ کے اساتذہ بہت ہیں، اس مختصر رسالہ میں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں، امام ابوحفص کبیر نے ان کے چار ہزار اساتذہ کا ذکر کیا ہے دوسروں کا بیان ہے کہ صرف تابعین میں سے ان کے چار ہزار اساتذہ تھے تو اندازہ کیجئے کہ تابعین کے علاوہ ان کے دوسرے اساتذہ کتنے ہوں گے؟

امام حماد کے علاوہ امام ابوحنیفہؒ کے چند مشہور اساتذہ حدیث یہ ہیں:

عامر بن شراحیل شعبی کوفی ۱۰۳ھ، علقمہ بن مرثد کوفی ۱۰۴ھ، سالم بن عبداللہ بن عمر مدنی ۱۰۶ھ، طاؤس بن کیسان یمنی ۱۰۶ھ، عکرمہ مولی ابن عباسؓ مکی ۱۰۷ھ، سلیمان بن یسار مدنی ۱۰۷ھ، مکحول شامی ۱۱۳ھ، عطاء بن ابی رباح مکی ۱۱۴ھ، امام محمد باقر بن زین العابدین ۱۱۴ھ، محارب بن دثار کوفی ۱۱۶ھ، عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج مدنی ۱۱۷ھ،

۱۔ ارباب مناقب لکھتے ہیں کہ امام صاحب نے پچپن حج کئے۔

نافع مولی ابن عمر مدنی ۱۲۰ھ، سلمہ بن کہیل کوفی ۱۲۳ھ، امام المحدثین ابن شہاب الزہری مدنی ۱۲۴ھ، ابوالزبیر مکی ۱۲۷ھ، قتادہ بصری ۱۲۷ھ، ابواسحٰق سبیعی کوفی ۱۲۷ھ، عبداللہ بن دینار مدنی ۱۲۷ھ، امام جعفر الصادق مدنی ۱۴۸ھ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

امام ابوحنیفہؒ نے علم حدیث کی تحصیل کے ساتھ اسی زمانے میں دوسرے علوم میں بھی تبحر حاصل کیا۔ خود فرماتے ہیں:

انی لما اردت تعلم العلم جعلت العلوم کلها نصب عینی فقرأت فَنًّا فَنًّا۔

میں نے جب علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو تمام علوم کے حصول کو اپنا نصب العین قرار دیا اور ہر ہر فن کو پڑھا۔

امام حمادؒ کا انتقال ۱۲۰ھ میں ہوا۔ امام ابوحنیفہ اپنے استاد کے جانشین ہو کر درس و افتاء میں مشغول ہوئے، طلبہ کی بھیڑ رہنے لگی، دور دور سے مسائل پوچھنے والوں کا ہجوم اس پر مزید تھا۔

جعفر بن ربیع کا بیان ہے:

''میں امام ابوحنیفہؒ کے یہاں پانچ سال تک رہا، میں نے ان سے زیادہ خاموش

۱۔ امام ابوحنیفہؒ سے پہلے جیسا کہ بیان ہو چکا، فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہیں تھا، نہ اس کے اصول و ضوابط معین تھے نہ تفریع مسائل کی تشکیل تھی۔ صرف ائمہ سے منقول فروع مسائل کی روایت پر اس کا مدار تھا۔ امام ابوحنیفہؒ نے جب اس کی تدوین کی طرف توجہ کی، تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جن میں کوئی صحیح حدیث بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا اس لئے ان کو قیاس سے کام لینا پڑا۔ قیاس پر گو پہلے بھی عمل تھا، خود صحابہؓ بھی قیاس کرتے تھے اور ان کے مطابق فتوے دیتے تھے لیکن اس وقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی، اس لئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے، نہ قیاس کی ضرورت پیش آتی تھی، امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا تو قیاس کی کثرت کے ساتھ اس کے اصول و قواعد بھی ان کو مرتب کرنا پڑے، اس بات نے ان کو رائے اور قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت دی چنانچہ تاریخوں میں جہاں ان کا نام لکھا جاتا ہے ''امام اہل الرائے'' لکھا جاتا ہے، اس شہرت کی ایک اور بھی وجہ ہوئی، عام محدثین حدیث و روایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے، امام ابوحنیفہؒ نے اس کی ابتداء کی، اس کے اصول و قواعد منضبط کئے۔ انہوں نے بہت سے حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ وہ اصول درایت کے قطعاً منافی تھیں اس لئے اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی کیونکہ درایت اور رائے مترادف سے الفاظ ہیں اور کم از کم عام لوگ ان دونوں میں فرق نہیں کر سکتے تھے۔

آدمی نہیں دیکھا' لیکن جب ان سے فقہ کے متعلق سوال کیا جاتا تو نالے کی طرح بہنے لگتے۔ غلغلہ انگیز گفتگو کرتے' وہ قیاس (ا) ورائے کے امام تھے۔

امام شافعی فرماتے ہیں:

الناس فی الفقه عیال علی ابی حنیفة ۔(تذکرۃ الحفاظ ص ۱۶۰)

لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہؒ کے محتاج ہیں۔

غرض امام ابوحنیفہ اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ تھے۔ چند روز میں ان کو وہ شہرت حاصل ہوئی کہ امام کی درسگاہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی درس گاہ بن گئی۔ بڑی تعداد میں دور دور سے طلبہ پہنچنے لگے۔ امام صاحب اپنے طلبہ کے ساتھ نہایت ہمدردانہ اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور مواساۃ میں مشہور تھے۔

اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہیں تھا جو امام کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو۔

ابوالمحاسن نے امام صاحب کے نو سو اٹھارہ مشہور شاگردوں کی فہرست دی ہے۔ امام صاحب کے آٹھ سو اسی تلامذہ کے نام جو سب اپنے وقت کے مشہور فقیہہ تھے' معجم المصنفین میں مذکور ہیں چند زیادہ مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

عمرو بن میمون ۱۴۷ھ' زفر ۱۵۸ھ' حمزہ بن حبیب ۱۵۸ھ' رئیس الصوفیۃ داؤد طائی ۱۶۰ھ' عافیہ بن یزید ۱۶۰ھ' مندل بن علی ۱۶۰ھ' ابراہیم بن طہمان ۱۶۹ھ' حبان بن علی ۱۷۲ھ' نوح بن ابی مریم الجامع ۱۷۳ھ' قاسم بن معن ۱۷۵ھ' حماد بن امام ابی حنیفہ ۱۷۶ھ' امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک ۱۸۱ھ' یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ ۱۸۲ھ' قاضی القضاۃ ابو یوسف ۱۸۳ھ' وکیع ۱۸۷ھ' اسد بن عمر ۱۸۸ھ' علی بن مسہر ۱۸۹ھ' یوسف بن خالد ۱۸۹ھ' محمد بن حسن شیبانی ۱۸۶ھ' فضل بن موسیٰ ۱۶۲ھ' حفص بن غیاث ۱۱۴ھ' یحییٰ بن سعید ۱۶۸ھ' حسن بن زیاد ۲۰۴ھ' عبدالرزاق بن ہمام ۲۱۱ھ' ابو عاصم النبیل ۲۱۲ھ' سعید بن اوس ۲۱۵ھ' فضل بن دکین ..... وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔

درس و افتاء کی مشغولیت سے بہت جلد امام صاحب ملک کے خواص و عوام میں مقبول ہو گئے' سارے ملک پر آپ کا اثر تھا بالخصوص عراق میں آپ کی شخصیت بہت نمایاں تھی۔

خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد پھر بنی امیہ کے مظالم بڑھ گئے' دینی آزادی ختم ہو گئی' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر پابندی لگ گئی' عصر استبداد عود کر آیا۔ امام صاحب ان سے سخت

ناخوش تھے۔(۱)

ہشام بن عبدالملک کے زمانہ میں امام زید بن علی حسینؓ نے کوفہ میں بنی امیہ کے خلاف علم اصلاح بلند کیا۔ ابتداءً کوفہ کی ایک بڑی جماعت ان کے ساتھ تھی، لیکن بعد میں جماعت مختصر ہوگئی۔

کوفہ کے اموی گورنر سے جنگ ہوئی، امام زید ناکام ہوکر ۱۲۲ھ شہید ہوگئے۔

امام ابوحنیفہؒ اگرچہ ان کے ساتھ علی الاعلان شریک نہیں ہوئے لیکن مالی خدمت کی اور زبانی موافقت کا اظہار فرمایا۔(۲)

امام زید کی شہادت کے بعد اموی حکام کی نظروں میں امام ابوحنیفہ چڑ گئے، کھلے بند بلا کسی امر کو حیلہ بنائے، ان کی عام مقبولیت کے پیش نظر دار و گیر مشکل تھی۔

اسی زمانے میں عباسی دعوت نے بھی زور پکڑنا شروع کیا۔ شام کا آخری اموی حکمران مروان الحمار تھا، اس نے کوفہ کا گورنر عمرو بن ہبیرہ کو مقرر کیا۔

ابن ہبیرہ نے کوفہ کے بہت سے فقہاء کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں دیکر اپنا ہمنوا بنالیا۔ اب اس نے اسی حکمت عملی سے امام ابوحنیفہ کو اپنا بنانا چاہا، امام کے سامنے میر منشی کا عہدہ اور افسر خزانہ کا منصب رکھا۔

امام صاحب پہلے ہی ان سے ناخوش تھے، پھر یہ خیال کرتے ہوئے کہ میر منشی کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کے بہت سے ظالمانہ احکام کی وہ تائید کریں اور افسر خزانہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ

۱۔ تبیض الصحیفہ میں ہے کہ ایک دن امام ابوحنیفہؒ اور ان کے معاصر فقیہہ ابن المعتمر دونوں ساتھ بیٹھے آہستہ آہستہ گفتگو کر رہے تھے، باتیں کرتے کرتے ابل پڑے اور دونوں رونے لگے، امام صاحب سے بعد میں کسی نے رونے کی وجہ پوچھی؟ فرمایا:

ذکرنا الزمان و غلبة اهل الباطل على اهل الخير فكثر ذلك بكائنا.

ہم اپنے زمانے کا ذکر کر رہے تھے کہ اہل باطل کس طرح اہل خیر پر غالب ہیں، اسی چیز نے ہم کو خوب رلایا۔

۲۔ مقدمہ روض ص ۲۶، ج ۵، مناقب موفق ص ۲۶۱ میں ہے۔ کان یبکی کلما ذکر مقتلہ یعنی امام زید کی شہادت کا جب امام ابوحنیفہؒ ذکر کرتے تو رونے لگتے کامل میں امام زید کے متعلق امام ابوحنیفہ کا یہ فتوی درج ہے:

خروجه يضا هي خروج رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم بدر (ص ۲۶۰، ج ۵)

حضرت زیدؒ کا اس وقت اٹھ کھڑا ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدر میں تشریف آوری کے مشابہ ہے۔

بیت المال کا بیجا صرفہ ان کے ہاتھ سے ہو۔ انہوں نے ان عہدوں کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

حکومت کو بہانہ مل گیا' امام کو جیل کی سزا دی' کوڑے لگوائے مگر امام صاحب مستقیم الاحوال رہے' بالآخر چھوڑ دیئے گئے۔ چھوٹنے کے بعد ۱۳۰ھ میں امام صاحب حرمین شریفین روانہ ہو گئے اور مسلسل دو سال وہاں رہے۔ وہاں بھی درس و افتاء کا سلسلہ جاری رہا۔

امام صاحب کے معاصر مشہور فقیہہ امام زہریؒ کے شاگرد یٰسین زیات کوفی نے مکہ میں خود چلا چلا کر اعلان کیا:

''لوگو! ابوحنیفہؒ کے حلقہ میں جا کر بیٹھو اور ان کو غنیمت سمجھو' ان کے علم سے فائدہ اٹھاؤ' ایسا آدمی پھر نہیں ملے گا' حرام و حلال کے ایسے عالم کو پھر نہ پاؤ گے' اگر تم نے ان کو کھو دیا تو علم کی بہت بڑی مقدار کو کھو دیا۔'' (موفق ص ۳۸)

عمار بن محمد کا بیان ہے:

''ابوحنیفہؒ حرم کعبہ میں بیٹھے ہوئے تھے' اردگرد خلقت کا ہجوم تھا' ہر ملک اور ہر علاقہ کے لوگ مسائل پوچھتے تھے' امام صاحب سب کو جواب دیتے اور فتویٰ بتاتے تھے۔'' (موفق ص ۵۷)

صرف عوام نہیں بلکہ امام صاحب کے اردگرد مسائل پوچھنے والے ہر ملک کے خواص اہل علم جمع رہتے تھے۔ عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

رایت ابا حنیفة جالسافی المسجد الحرام و یفتی اهل المشرق و المغرب و الناس یومئذ ناس یعنی الفقهاء الکبار و خیار الناس حضور (موفق)

اہل الرائے کا لقب سب سے پہلے امام مالکؒ کے استاد مشہور محدث و فقیہ کے لئے طرۂ امتیاز بنا کہ ''الرائے'' ان کے نام کا جز ہو گیا اور ربیعۃ الرائے کے نام سے مشہور ہوئے' کیونکہ محدثین میں رائے سے کافی حد تک کام لیتے تھے۔ مشہور مورخ ابن قتیبہ (۲۷۶ھ) نے کتاب المعارف ص ۲۲۵ میں محدثین کی فہرست کے ساتھ اہل الرائے کی فہرست دی ہے اور اہل الرائے کے عنوان کے ذیل میں یہ نام لکھے ہیں:

ابن ابی لیلیٰ' ابوحنیفہ' ربیعۃ الرائے' زفر' اوزاعی' سفیان ثوری' مالک بن انس' ابو یوسف' محمد بن حسن اور ان کے حالات بھی لکھے ہیں۔ ان میں سے امام ثوریؒ اور امام اوزاعیؒ کی علم حدیث میں شہرت محتاج بیان نہیں۔

میں نے حرم کعبہ کی مسجد میں امام ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں اور مشرق ومغرب کے لوگوں کو فتوے دے رہے ہیں اور یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ' لوگ تھے یعنی بڑے بڑے فقہا اور اچھے اچھے لوگ اس مجلس میں موجود رہتے تھے۔

حرمین شریفین میں چونکہ بلاد مختلفہ کے مختلف الخیال علماء سے امام کی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ علمی صحبتیں تھیں' تبادلہ خیال کا عمدہ موقعہ ملا' مختلف بلاد کے حالات' ضروریات اور مسائل سے بھی واقفیت ہوئی۔ اسی زمانہ میں امام صاحب کے دل میں تدوین فقہ کا جو داعیہ پہلے تھا اب اور راسخ ہو گیا۔

۱۳۲ھ کے بعد دولت بنی امیہ کے خاتمہ پر فوراً کوفہ واپس ہوئے اور اپنے شاگردوں کی باضابطہ مجلس شوریٰ بنا کر تدوین فقہ کی طرف پوری توجہ کے ساتھ لگ گئے جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

ظلم وتعدی اور جبر واستبداد میں عباسیوں کی حکومت بنی امیہ کی حکومت سے کم نہیں تھی' امام ابوحنیفہؒ ان سے بھی خوش نہ تھے ہمیشہ ان کی اصلاح کے خواہشمند رہے۔

عباسیوں نے پہلے بنی امیہ کو اپنے مظالم کا شکار بنایا' پھر علوی سادات اور ان کے ہمنوا ہدف بنے۔

۱۴۵ھ میں محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی نے جو نفس زکیہ کے لقب سے مشہور تھے' مدینہ میں ادعائے خلافت کیا' امام مالک نے ان کی تائید کی مگر نفس زکیہ اسی سال ناکام شہید ہوئے۔ عبداللہ بن زبیر کے بیٹے کا بیان ہے:

''میں نے ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ وہ محمد بن عبداللہ بن حسن کا ذکر ان کی شہادت کے واقعہ کے بعد بیان کر رہے ہیں اور ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔'' (موفق ص ۸۲/۸۴)

اسی سال بصرہ میں نفس زکیہ کے بھائی ابراہیم نے بھی علم خلافت بلند کیا۔ کوفہ کے لوگ بھی ان کے ساتھ ہوئے۔ مورخین کا بیان ہے۔

کان ابو حنیفہؒ یجاھر فی امرہ و یامر بالخروج معہ'

(البانی' ص ۳۰۰' ج ۱)

امام ابوحنیفہؒ لوگوں کو ابراہیم کی رفاقت پر علانیہ ابھارتے تھے اور حکم دیتے تھے

کہ ان کے ساتھ ہو کر حکومت کا مقابلہ کریں۔

مگر ابراہیم نے شکست کھائی۔ منصور عباسی فرماں روا نے امام ابوحنیفہؒ سے بدلہ لینا چاہا' ان کو کوفہ سے بغداد طلب کیا' ارادہ تو قتل (۱) کا تھا مگر عام حالات دیکھتے ہوئے کھلے بند قتل سے خائف تھا بہانہ کا متلاشی ہوا۔

امام ابوحنیفہؒ بغداد گئے۔ منصور امام ابوحنیفہ کے طبیعت سے واقف تھا کہ وہ امراء جور سے رابطہ پسند نہیں کرتے اور نہ ان کے وظائف قبول کرتے ہیں' مورخین لکھتے ہیں:

کان ابوحنیفۃ (۲) ازھد الناس فی درھم یاخذہ من السلطان (موفق' ص ۲۱/۲۱۳)

امام ابوحنیفہؒ حکومت سے ایک ایک درہم تک لینے میں سب سے محتاط تھے۔

خلیفہ منصور نے امام ابوحنیفہؒ سے عہدۂ قضا قبول کرنے کو کہا۔ امام نے انکار (۳) کیا۔ منصور نے امام سے اصرار کیا' امام انکار ہی کرتے رہے منصور نے جیل کی سزا دی' کوڑے لگوائے مگر امام راضی نہ ہوئے۔ جیل میں بھی امام کی علمی مشغولیت یعنی خدمت درس و افتاء جاری رہی۔ جب

۱۔ یافعی نے لکھا ہے کہ ابراہیم کی شہادت کے بعد منصور مخالفتوں کو کچلنے کے لئے خود کوفہ آ گیا اور

وجعل یقتل کل من اتھمہ او یحبسہ' (ص ۲۹۸)

جس پر ابراہیم کی اعانت یا ہمدردی کا شبہ ہوتا اس کو قتل کرنے یا محبوس کرنے لگا۔

۲۔ خطیب نے لکھا ہے (ص ۳۵۹' ج ۱۳) امام ابوحنیفہؒ بکثرت ان دو شعروں کو پڑھا کرتے تھے۔

عطاء ذی العرش خیر من عطائکم ۔۔۔ وسبہ واسع یرجی و ینتظر

انتم تکدر ما تعطون منکم ۔۔۔ واللہ یعطی بلا منّ ولا کدر

۳۔ انکار کی بڑی وجہ یہ تھی کہ عدلیہ جس کو آزاد رہنا چاہئے اس عہد میں خلیفہ اور اس کے درباریوں کا محکوم تھا۔ ان کی طرف سے بیجا طرفداریاں کی جاتی تھیں' گویا شعبۂ قضا صرف ایک بہانہ تھا' اس سے عدل و انصاف مقصود نہیں تھا' بلکہ اس سے مقصد ناحق کو حق ثابت کرنا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ صرف امام ابوحنیفہ ہی نہیں اور بھی اس زمانے کے متعدد ارباب صدق و امانت' اصحاب تقویٰ و دیانت امام سفیان ثوری' شیخ مسعر بن کدام اور سلیمان بن المعتمر وغیرہ رحمہم اللہ نے حکومت کے شدید اصرار کے باوجود عہدۂ قضا قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ مختلف حیلوں سے چھٹکارا حاصل کیا۔ اسی عہد کے ایک فقیہ قاضی شریک چھٹکارا نہ پا سکے' منصور کے شدید اصرار سے مجبور ہو کر انہوں نے عہدہ قضا قبول کر لیا۔ مگر ساتھ ہی یہ شرط پیش کی۔ (باقی اگلے صفحے پر)

منصور کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی اور امام صاحب کی طرف سے بدظنی بڑھتی گئی تو آخری خفیہ تدبیر یہ کی کہ بے خبری میں زہر دلوادیا۔ زہر نے اثر کیا' بالآخر ۱۵۰ھ میں امام ابوحنیفہؒ بحالت سجدہ واصل بحق ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی' تمام شہر امنڈ آیا۔ حسن بن عمارہ قاضی شہر نے غسل دیا۔ چھ بار جنازہ کی نماز ہوئی۔ پہلی بار پچاس ہزار افراد کا مجمع تھا۔ بیس دن تک دعا کے لئے قبر کے پاس آنے جانے والوں کی بھیڑ رہی' بغداد میں مقبرۂ خیزران اخری خوابگاہ بنی۔

امام ابوحنیفہؒ اپنی فطری ذہانت و فطانت' علمی قوت اور علمی و اخلاقی کمالات کے ساتھ ساتھ نہایت عابد و مرتاض اور رقیق القلب تھے' خشیت الٰہی' عبرت پذیری' زہد و تقویٰ اور انابت الی اللہ میں ان کا خاص حصہ تھا۔ مستقل مزاج اور حق گو تھے' ذکر و عبادت میں ان کو بڑا مزہ آتا تھا۔ بڑے ذوق و شوق سے ادا کرتے تھے' اس باب میں ان کی شہرت ضرب المثل تھی۔

مشہور محدث ذہبی کا بیان ہے۔

''امام ابوحنیفہؒ کی تہجد اور شب بیداری کے واقعات اس کثرت سے بیان کئے گئے ہیں کہ وہ حد تواتر کو پہنچے ہیں' شب بیداری اور اس کے قیام ہی کی وجہ سے امام ابوحنیفہؒ کو لوگ وتد (میخ) کہتے ہیں۔'' (معجم' ص ۱۶۵)

لا ابالی فی الحکم علیٰ قریب او بعید — مجھ کو پرواہ نہ رہے کہ قریب و بعید جسکے خلاف ہو فیصلہ کروں۔

منصور نے اس کے جواب میں کہا:

احکم علیّ و علی وَالدی۔ — آپ میرے اور میری اولاد کے خلاف بھی حکم کر سکتے ہیں

پھر بھی قاضی مطمئن نہیں ہوئے فرمایا:

اکفنی حشمک۔ — اپنے حاشیہ نشینوں اور درباریوں سے میری حفاظت کیجئے۔

منصور نے کہا:

افعل — میں ایسا ہی کروں گا۔

مگر اس قول و اقرار کا انجام یہ ہوتا ہے کہ سب سے پہلا مقدمہ جو ان کے یہاں آتا ہے وہ خلیفہ کے غلام کا کسی شخص کے ساتھ عام عادت کے مطابق اس غلام نے فریق کے برابر کھڑے ہونے کو اپنی توہین سمجھا' آگے بڑھا قاضی نے اصول عدلیہ کے مطابق تنبیہ کی اور فریق کے مطابق بیٹھنے کو کہا' (باقی اگلے صفحے پر)

مکی بن ابراہیم کا بیان ہے:

كان جهاده كله الى قبر (معجم)

امام صاحب کی ساری کد وکاوش کا رخ قبر ہی کی جانب تھا۔

امام صاحبؒ خز کی جو خاص قسم کا کپڑا تھا وسیع پیمانہ پر تجارت کرتے تھے' کارخانہ بھی تھا' کوفہ میں دکان بھی تھی' سارے ملک میں مال کی فروخت اور درآمد و برآمد کا سلسلہ جاری تھا' لاکھوں کا کاروبار ہوتا تھا۔

امام صاحبؒ معاملات کی سچائی میں مشہور تھے' ٹال مٹول سے ان کو نفرت تھی' قرض داروں کو مہلت دینا بلکہ معاف کر دینا امام صاحب کا عام دستور تھا۔

امام صاحبؒ کی امانت داری مثالی تھی۔ انتقال کے وقت ان کے پاس پانچ کروڑ کی امانتیں تھیں' پھر ایسی کہ

فاذا هي مختومة بهئيتها (موفق)

بجنسہ اپنی مہر کے ساتھ توڑا رکھا ہوا تھا۔

دولت کی فراوانی کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ کی زندگی نہایت سادہ اور بے تکلف تھی۔ خود فرماتے ہیں:

انما قوقي في الشهر درهمان فمرة السويق و مرة الخبز (معجم)

منصور کے غلام نے خفا ہو کر کہا:

انک شیخ احمق تو بوڑھا احمق ہے۔

قاضی شریک نے کہا:

قلت ذلک لمولاک فلم یقبل میں نے تو تیرے آقا سے یہی کہا تھا کہ میں احمق ہوں' مجھ کو قاضی نہ بناؤ مگر انہوں نے میری بات نہ مانی۔

بہرحال منصور کو چاہئے تھا کہ غلام کو تنبیہ کرتا اور قاضی صاحب کو اصول عدلیہ کے قیام میں مدد کرتا اور اپنے قول و قرار کا پاس کرتا مگر قاضی صاحب کو درباریوں سے خطرہ تھا وہی ہوا یعنی

فعزلوه (مفتاح السعادۃ' ج ۲) قاضی شریک کو لوگوں نے معزول کر دیا۔

اور خلیفہ نے بھی اس عزل پر تائید کی مہر ثبت کر دی۔

میری ذاتی خوراک مہینے میں دو درہم سے زیادہ نہیں ہے کبھی ستو کبھی روٹی۔

سہیل بن مزاحم کا بیان ہے:

کنا ندخل علی ابی حنیفة فلم نجد فی بیتہ الا البواری (موفق ص ۲۱۴)

ہم امام ابوحنیفہؒ کے پاس حاضر ہوتے تو ان کے کمرے میں چٹائیوں کے سوا اور کچھ نہ پاتے۔

تجارت و اکتساب سے امام ابوحنیفہؒ کا مقصد خلق اللہ کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچانا اور اپنی عزت کی حفاظت کرنا تھا۔

فرماتے ہیں:

لو لا انی اخاف ان التجئ الی ھولاء ما امسکت درھما واحدا (مناقب قاری)

اگر مجھ کو اندیشہ نہ ہوتا کہ حکام و امراء کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے گا تو اپنے پاس ایک درہم بھی نہ روکتا۔

امام ابوحنیفہؒ نے اپنے احباب اور ملنے والوں کے لئے روزینے مقرر کر دیئے تھے۔ شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص تھا، جس کا نفع سال کے سال ان کو پہنچا دیا جاتا تھا۔

معمول تھا کہ اگر گھر والوں کے لئے کوئی چیز خرید فرماتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بھجواتے، شاگردوں میں جس کو تنگ حال دیکھتے اس کی خود کفالت فرماتے، اتفاقیہ کوئی ملنے آتا تو حال پوچھتے، حاجت مند ہوتا تو نہایت فیاضی سے اس کی حاجت پوری فرماتے۔

امام صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قد، خوش رو، خوش لباس تھے۔ عطر کا استعمال بکثرت کرتے تھے۔ گفتگو کا طریقہ عمدہ اور لہجہ نہایت شیریں تھا۔

امام صاحبؒ کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ نے امام صاحب کے محاسن و اخلاق کی ترجمانی ہارون الرشید کے سامنے اس طرح کی ہے:

''جہاں تک میں جانتا ہوں امام ابوحنیفہؒ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ وہ نہایت پرہیزگار تھے، منہیات سے بچتے تھے، اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے۔ کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ

خاموش رہتے' نہایت سخی اور فیاض تھے۔ کسی کے آگے حاجت نہ لے جاتے' اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیوی جاہ کو حقیر سمجھتے تھے' غیبت سے بچتے تھے' جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے' بہت بڑے عالم تھے اور مال کی طرح علم صرف کرنے میں بھی بے حد فیاض تھے۔''

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شبانہ روز کے معمولات عموماً یہ تھے کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے' دور سے استفتاء آئے ہوئے ہوتے تو ان کے جواب لکھتے' پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی۔ بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا' گفتگو شروع ہوتی' مسائل کے جواب' بحث مباحثے کے بعد قلمبند کر لئے جاتے۔ نماز ظہر پڑھ کر امام صاحب گھر آتے' گرمیوں میں ہمیشہ نماز ظہر کے بعد سو رہتے' نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ رہتا باقی وقت لوگوں سے ملنے ملانے' بیماروں کی عیادت' ماتم پرسی اور غریبوں کی خبر گیری میں صرف ہوتا۔

مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا' اور عشاء تک رہتا۔ نماز عشاء پڑھ کر عبادت الٰہی میں مشغول ہوتے۔ طویل قرأتیں کرتے' رات بھر نہ سوتے' جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں سو رہتے' تقریباً دس بجے اٹھ کر نماز عشاء پڑھتے' پھر تمام رات تہجد میں گزار دیتے' کبھی کبھی دکان پہ بیٹھتے اور وہیں یہ مشاغل انجام پاتے۔

جو چیز امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی قوت ایجاد' جدت طبع وقت نظر' وسعت معلومات' غرض ان کے تمام کمالات کا آئینہ ہے' وہ علم الفقہ ہے جس کی تدوین میں انہوں نے اپنے تمام علمی کمالات ظاہر کر دیئے اور اس کی اصلی محرک کیا چیز تھی!

سلم بن سالم فقیہ بلخ کی زبانی سنئے:

لقیت من لقیت المشائخ الکبائر فلم اجد اشد حرمة لامة محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم من ابی حنیفه رضی الله عنه و ارضاه (موفق' ص ۲۴۸)

میں نے بڑے بڑے علماء سے ملاقاتیں کیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے احترام کا جذبہ جتنا زیادہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ میں پایا اس کی نظیر کہیں نظر نہیں آتی۔

اسلامی عدل

محمد نواز الحسنی اسسٹنٹ پروفیسر
کلیۃ الشریعہ والقانون بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

اللہ تعالیٰ اس کائنات کا خالق و مالک ہے اس نے اس کائنات کو یوں ہی پیدا نہیں کیا جو جیسے چاہے ویسے ہی اپنی زندگی گزارے، بلکہ اس کی تخلیق کے ساتھ اس کے دنیاوی نظم ونسق کے لئے ایک مکمل اور جامع دستور بھی دیا جس میں زندگی کے تمام زاویوں اور گوشوں کے بارے میں واضح ہدایات (Instructions) موجود ہیں اور تجربات اس بات کے شاہد ہیں کہ جب زندگی اس کامل ترین دستور کے سانچوں میں ڈھلی تو وہ ایک مثالی اور اقوام عالم کے لئے قابل تقلید نمونہ حیات بن گئی۔

آپ دیکھتے ہیں کہ آج کے اس سائنسی دور میں جو بھی صناع کسی نئی اپنی مشینری اور ایجاد کو بازار میں متعارف کراتا ہے تو اس کی ہئیۃ کذائیہ، ترکیبیہ اور تمام کل پرزوں کے بارے میں اور اس مشین کے استعمال کے بارے میں تفصیلی ہدایات اور معلومات ایک کتابچہ کی شکل میں مشینری کے ساتھ فراہم کرتا ہے۔ تو پھر یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ خدا تعالیٰ جو ان سب سے بہترین صانع اور علیم وخبیر ہے وہ کسی چیز کی تخلیق کرے لیکن اس کے استعمال اور نظم وضبط کے لئے خدا تعالیٰ کے پاس کوئی جامع پروگرام اور معاون کتاب نہ ہو اور اسے اپنے نظم وضبط کے اصولوں کو جاننے کے لئے انسانوں کے بنائے ہوئے دستور ہائے حیات کا محتاج بنا دیا ہو۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے انسانی کاروان زندگی کے نظم ونسق کے لئے ایک جامع نظام تشکیل دیا ہے اور پھر جہاں کہیں مناسب سمجھا وہاں اس نظام کے اصول وضوابط مدون کر کے کتابی شکل میں دیئے جاتے رہے۔

اور پھر اسی کتاب پر اکتفاء واقتصار نہیں کیا گیا بلکہ اس کے ساتھ اس نظام وکتاب

کی تعلیم دینے کے لئے وقتاً فوقتاً انبیاءؑ کی شکل میں معلمین بھیجے جاتے رہے۔ جنہوں نے نہ صرف اس دستور کی انسانوں کو تعلیم دی، بلکہ اس پر بذات خود عمل کر کے اس کی عملی تصویر بھی پیش کی۔ قرآن مجید میں ہے۔

"وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر"(۱)

"کوئی ایسی قوم نہیں ہے جس میں ڈرانے والے (نبی) نہ آئے ہوں۔"

اور پھر ان تمام آسمانی تعلیمات وہدایات میں روز اول سے جس چیز پر زور دیا جاتا رہا، وہ ہے عدل، جرائم اور ان کی عقوبات میں عدل ہو، انسان کے اپنے معمولات میں بھی عدل ہو اور اس کے دوسروں کے ساتھ تعلقات میں بھی عدل ہو۔ انسان اپنے معاملات میں بھی عدل کو برقرار رکھے اور خدا تعالیٰ کی عبادات میں بھی، اس لئے تو صیام وصال سے منع فرمایا گیا۔ یہ صرف اس لئے تا کہ جسم اور روح میں توازن برقرار رہے۔ اور اسی توازن کو برقرار رکھنے کیلئے روز آفرینش سے عدل کو قائم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

لقدارسلنا رسلنا بالبینات و انزلنامعھم الکتاب و المیزان لیقوم الناس بالقسط(۱۴)

"بیشک ہم نے رسولوں کو روشن دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور عدل کی ترازو بھی نازل کی تا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم رہیں۔"

بہر کیف عدل ہی ایک ایسی چیز ہے جس پر دنیا کی تمام اچھائیوں کا انحصار ہے اور جو قوم اور ملک اپنے اندر عدل وانصاف کو بروئے کار لائے گا وہاں ترقی وعروج کا دور دورہ ہوگا اور جو قوم وملک عدل وانصاف کی دولت سے محروم ہوگا وہ ذلت ورسوائی اور پستی وانحطاط کا شکار ہی رہے گا۔

عدل کی تعریف

عدل کی تعریف اس لئے ضروری ہے تا کہ قاری پر اس کی حقیقت وماہیت واضح ہو جائے۔

عدل کا لغوی

۱۔ قال ابن العربی : العدل الاستقامة (۳)

ابن العربی کے بقول عدل کے معنی استقامت کے ہیں۔

۲۔ العدل هوالزكاة قال تعالىٰ واشهدوا ذوی عدل منكم (۴)

عدل کے معنی پاکیزگی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے میں سے پاکیزگی والے دو آدمیوں کو گواہ بناؤ۔

۳۔ العدل هوالانصاف قال تعالىٰ واذاحكمتم بين الناس ان تحكموا بالعدل (۵).

عدل کے معنی انصاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اگر آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ دیں۔

۴۔ العدل هوالصدق قال الله تعالىٰ واذاقلتم فاعدلوا (۶)

عدل کے معنی سچ بولنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب بات کرو تو سچ بولو۔

۵۔ العدل الفدية قال تعالىٰ لايقبل من عدل (۷)

عدل کے معنی فدیہ اور صدقہ کے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان سے صدقہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

۶۔ العدل الاشراك قال الله عزوجل ثم الذين كفروا بربهم يعدلون (۸)

عدل بمعنی شریک ٹھہرانے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا انہوں نے اس کا شریک بنا ڈالا۔

۷۔ العدل السوية قال تعالىٰ ولن تستطيعوا ان تعدلوا بين النساء ولوحرصتم (۹)

عدل بمعنی برابر کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم اس بات کی کوشش بھی کرو تب بھی اپنی عورتوں کے درمیان (محبت و پیار میں) برابری اور مساوات قائم نہیں رکھ سکتے۔

یعنی نہ وہاں افراط ہو نہ تفریط ان دونوں سے پاک درمیانی راہ اور یہی عدل ہے۔

عدل کی اصطلاحی تعریف

قال الشریف الجرجانی: العدل هوالا مرالمتوسط بین طرفی الافراط والتفریط (۱۲)

سید شریف جرجانی فرماتے ہیں۔ ''عدل وہ درمیانی چیز ہے جو افراط و تفریط سے پاک ہو۔''

اور جو راہ افراط وتفریط سے پاک ہو اسے قرآن مجید کی اصطلاح میں صراط مستقیم کہا گیا ہے جسے ہماری اردو زبان میں راہ راست کہا جاتا ہے۔ اور صراط مستقیم وہ ہے جس پر چلنے کی ہمیں ہدایت کی گئی ہے اور کئی بار ہم نمازوں میں اور نمازوں سے باہر بارگاہ ایزدی میں اس صراط مستقیم پر چلنے کی دعا کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

''وضرب الله مثلا رجلين احدهما ابكم لايقدر على شئى وهوكل على مولا ه اينما يوجه لايات بخير هل يستوى هو و من يامربالعدل وهوعلى صراط مستقيم۔ (۱۳)

''اللہ تعالیٰ دو ایسے مردوں کی مثال دیتا ہے جن میں سے ایک گنگ ہے جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہی ہے۔ کیونکہ جدھر کو بھی جاتا ہے کوئی اچھی خبر نہیں لاتا۔ کیا وہ برابر ہو سکتا ہے اس شخص کے جو ''عدل پر عمل پیرا ہو کر'' دوسروں کو انصاف کا حکم دیتا ہے۔ یہ شخص جادہ مستقیم پر گامزن ہے۔''

اس آیۃ کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو عدل پر عمل پیرا ہے وہ جادہ مستقیم پر گامزن ہے اور جو عدل کی راہ ہے وہی صراط مستقیم ہے۔

اسلام اور عدل

اسلام ایک ایسا نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں اعتدال کی راہ کا تعین کرتا

ہے اور انسان کو معتدل راہ اپنانے کا حکم دیتا ہے اور ہر قسم کی ناانصافی سے منع کرتا ہے خواہ وہ ناانصافی خالق کے ساتھ ہو یا مخلوق، حیوان کے ساتھ ہو یا انسان، بچے کے ساتھ ہو یا بڑے کے ساتھ، جوان کے ساتھ ہو یا بوڑھے کے ساتھ عورت کے ساتھ یا مرد، اور عدل بھی اسی اعتدال کا نام ہے جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط تو اس طرح اسلام اور عدل ایک چیز ہوئے۔

اسلام اور صراط مستقیم

اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے سے انسان کو زندگی کے ہر میدان میں کامیابی و کامرانی کی منزل مل جاتی ہے اور بلندیوں کی اس اوج ثریا تک پہنچ جاتا ہے کہ جس کے بعد حدود و قیود کی پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں اور زمان و مکان کی حلقہ بندیاں ٹوٹ جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے انسانوں کی کامیابی کا اس انداز سے ذکر فرماتا ہے۔

ان الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا، تتنزل علیہم الملائکۃ الاتخافوا ولاتحزنواوابشروابالجنۃ التی کنتم توعدون، نحن اولیاء کم فی الحیواۃ الدنیا وفی الآخرۃ ولکم فیہا ماتشتہی انفسکم ولکم فیہا ماتدعون، نزلامن غفور رحیم (۱۵)

''جنہوں نے یہ کہا کہ ہمارا پروردگار تو اللہ تعالیٰ ہی ہے، پھر صراط مستقیم (اسلام) پر گامزن ہو گئے تو ان پر ہمارے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ (اور کہتے ہیں) کسی قسم کا خوف مت کھاؤ، اور نہ ہی غمگین ہوں، جس جنت کا وعدہ کیا گیا تھا اس کی تمہیں بشارۃ ہو (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) ہم تمہارے دنیا و آخرت میں حامی و ناصر ہیں۔ اور اب تمہاری ہر خواہش کو پورا کیا جائے گا اور تم جو چاہو گے وہ تمہیں بآسانی میسر ہوگا بلکہ خدا کی طرف سے تمہارے اوپر رزق کی بارش ہوتی رہے گی۔''

گویا انسان جب خدا پر ایمان لانے کے بعد اسلام کے ہمہ گیر نظام عدل کو اپنا لیتا

ہے اور اس کے جادہ مستقیم پر گامزن ہو جاتا ہے تو اسے نہ صرف ہر قسم کے خوف وخطر سے پاک باغ و بہار میسر آئیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ اس پر اتنا مہربان ہو جائے گا کہ جو وہ چاہے گا وہ اسے فی الفور فراہم کر دیا جائے گا اس پر مزید یہ کہ رزق کے تمام سربستہ خدائی خزانوں کے دروازے اس کے سامنے وا ہو جائیں گے۔ یہ ایک خیالی دنیا کا مفروضہ نہیں کہ جس کا حقائق کی دنیا میں وجود نہ ہو بلکہ آخرت کے علاوہ اسلام کے قرون اولیٰ میں اس دنیا کے اندر اس کی شاندار مثالیں آسمانی تاریخ پر جگمگ جگمگ کر رہی ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جب زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو تمام لوگوں کو جمع کر کے یہ اعلان کیا کہ ''آپ حضرات خاندان بنوامیہ کو عطیات دیتے رہے ہیں جو نہ ہمیں لینا جائز تھے اور نہ آپ کو دینا روا تھے۔ اس وقت یہ تمام عطیات میری ملکیت میں ہیں اور ان کا حساب مجھے خدا کے سوا کسی کو نہیں دینا اس لئے اب میں یہ ساری رقمیں واپس کرتا ہوں اور یہ واپسی میں اپنے گھر سے شروع کرتا ہوں۔ یہ عطیات واپس کر دینے کے بعد اپنی بیوی فاطمہ کی طرف متوجہ ہوئے جن کے پاس جہیز کے بیش قیمت زیورات تھے اور ان سے کہا کہ

> ''یا تو یہ سارا زیور تم بیت المال میں دے دو یا مجھ سے علیحدگی اختیار کر لو، کیونکہ میں اور سونا ایک گھر میں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ آپ کی بیوی نے بخوشی یہ تمام زیورات بیت المال میں جمع کرا دیئے۔'' (۱۴)

بادشاہ وقت کی طرف سے اس قسم کے عدل وانصاف کے سلوک کو دیکھ کر لوگوں میں کسب حلال کے جذبات امڈ آئے اور غلط ذرائع سے دولت سمیٹنے کے تمام راستے مسدود ہو کر رہ گئے۔ جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو اس طرح معاشی استحکام بخشا کہ زکوٰۃ دینے والے حاجت مندوں کی تلاش میں نکلتے تھے۔ لیکن زکوٰۃ لینے والا کوئی بھی نہیں ملتا تھا۔ کیونکہ ہر گھر میں خوشحالی اور فراوانی رزق کا دور دورہ تھا۔ (۱۷)

یہ صرف اور صرف اسلام کے اس ہمہ گیر عدل کا نتیجہ تھا کہ معاشرہ کے ہر فرد کو آسائش وآرام اور امن وسکون کی دولت میسر آ گئی تھی اور کسی کو یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ اس امن وسکون میں کسی قسم کا کوئی خلل ڈال سکے اور آج بھی اگر اسلام کے اس ہمہ گیر عدل کو

پوری قوت وصداقت کے ساتھ اپنا لیا جائے تو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق یقیناً یہ معاشرہ بھی ایک مثالی اور اقوام عالم کے لئے قابل رشک بن سکتا ہے۔

عدل کی اہمیت اسلام میں

عدل عالمی صداقتوں (Universal Truths) میں سے ایک ہے اس لئے ہر مذہب اور قانون میں عدل گستری کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں مگر ان کے ماننے والوں اور پیروکاروں نے اس کی تشریح وتوضیح (Interpretations) میں بڑا فرق پیدا کر دیا، کچھ حکمرانوں یا بزعم خویش اونچی ذات کے لوگوں نے عدل وانصاف کے مطابق واجب العمل سزا وعتاب سے اپنے آپ کو مستثنیٰ (Exempted) قرار دیا۔ جس سے عدل وانصاف کے وہ اثرات رونما نہ ہو پائے جن کی بنیاد پر معاشرہ امن وآشتی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو وہ بعینہ عدل کا مذہب ہے اور روز اول سے نہ صرف عدل کی اہمیت وضرورت کو واشگاف الفاظ میں بیان کیا اور زندگی کے تمام معاملات میں عدل کی تفصیلات وجزئیات سے آگاہ کیا بلکہ اسے ماننے والوں کیلئے بلا امتیاز واجب العمل قرار دیا۔

عدل کی اہمیت قرآن مجید کی روشنی میں

قرآن مجید میں جگہ جگہ عدل وانصاف برقرار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جن میں سے چند آیات کا ذکر درج ذیل میں کیا جاتا ہے۔

ان اللہ یا مربالعدل والاحسان و ایتاء ذی القربی (۱۸)

''اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔''

واذاحکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (۱۹)

''اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ یہ فیصلہ کرو۔''

یاایھاالذین آمنواکونوا قوامین بالقط شھداء للّٰہ ولو علی انفسکم اوالوالدین والاقربین ان یکن غنیا اوفقیرا

فالله اولی بهما فلا تتبعوا الهوی ان تعدلوا وان تلووا اوتعرضوا فان الله کان بماتعملون خبیرا (۲۰)

''اے ایمان والو! اللہ کے واسطے بنی بر انصاف گواہی دینے والے بن جاؤ۔ اگر چہ یہ گواہی اپنی ذات یا والدین یا رشتہ دار کے خلاف ہی کیوں نہ ہو فریق معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تعالیٰ بہر حال دونوں سے لحاظ کئے جانے کا زیادہ حقدار ہے، عدل کے معاملہ میں خواہش نفس کی پیروی مت کریں، اگر تم نے کجروی اپنائی یا عدل سے روگردانی کی تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔''

اس آیۃ کی مثال اور عملی تفسیر حضور کریم نے اس وقت پیش جب قبیلہ بنو مخزوم کی فاطمہ نامی عورت چوری کے کیس میں پکڑی گئی وہ ایک معزز گھرانے کی خاتون تھی سرداران قریش نے سفارش کے لئے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بارگاہ رسالت میں بھیجا جو آپ کو بہت عزیز تھے۔ آپ نے اسامہؓ کی بات سننے کے بعد لوگوں کو اکٹھا کیا اور یہ خطاب فرمایا:

یا ایهاالناس انما ضل من کان قبکلم انهم کانوا اذا سرق الشریف ترکوه واذا سرق الضعیف فیهم اقاموا علیه الحد و ایم الله لوان فاطمه بنت محمد سرقت لقطعت یدها (۲۱)

''اے لوگو! تم سے پہلی قومیں اس لئے گمراہ ہوئی ہیں کہ ان میں سے جب اونچے درجہ کے لوگ چوری کرتے تھے تو انہیں چھوڑ دیا جاتا اور جب کوئی عام آدمی چوری کرتا تو اس کو مقررہ سزا دیتے، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ضرور اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔''

یاایهاالذین آمنوا کونوا قوامین لله شهداء بالقسط ولایجرمنکم شنان قوم علی ان لاتعدلوا اعدلوا هواقرب للتقوی (۲۲)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے لئے عدل و انصاف کے ساتھ گواہی دینے پر قائم رہو اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم جادہ انصاف سے ہٹ جاؤ (بلکہ زندگی کے ہر معاملہ میں) انصاف سے کام لو، کیونکہ وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔''

اس کی بھی کئی نظائر اسلامی قرون میں پائی جاتی ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی کو بازار میں اپنی زرہ فروخت کرتے دیکھا تو اس سے کہا ''زرہ میری ہے'' اس نے انکار کیا مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوا۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شہادت طلب کی، جسے وہ پیش نہ کر سکے، چنانچہ فیصلہ نصرانی کے حق میں سنا دیا گیا اور خود حضرت علی رضہ اللہ عنہ نے اسے قبول کرتے ہوئے فرمایا شریح تم نے ٹھیک فیصلہ کیا ہے۔ فیصلہ سن کر نصرانی حیرت زدہ رہ گیا اور بولا، یہ پیغمبرانہ عدل ہے کہ امیر المومنین کو بھی عدالت میں آنا پڑتا ہے اور انہیں اپنے خلاف فیصلہ بھی سننا پڑتا ہے۔ یہ ایک حقیقی عدل ہے جس میں دوست و دشمن کی کوئی تمیز نہیں اور پھر یہ کہ یہ زرہ امیر المومنین ہی کی ہے۔ صفین جاتے ہوئے ان کے اونٹ سے گر گئی تھی اور میں نے اٹھالی۔ (۲۳)

یہ ہے عدل اسلامی جس میں اپنے پرائے اور دوست و دشمن کی تمیز نہیں برتی جاتی۔

عدل کی اہمیت سنت رسول ﷺ کی روشنی میں

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ سے عدل کی اہمیت پر واضح روشنی پڑتی ہے، جن میں سے چند ایک مثالیں درج ذیل ہیں۔

(الف) ان احب الناس الی اللہ یوم القیامہ وادنا ھم منہ مجلسا امام عادل و ابغض الناس الی اللہ وأبعدھم منہ مجلسا امام جائر (۲۴)

قیامت کے روز اللہ کو سب سے زیادہ محبوب اور اس کے زیادہ قریب عادل حکمران ہوگا اور سب سے زیادہ مبغوض اور اس خدا سے زیادہ دور ظالم حکمران ہوگا۔

(ب) یوم من امام عادل افضل من عبادۃ ستین سنۃ وحدیقام فی

الارض بحقه ازكى فيها من مطراربعين صباحا (۲۵)

عادل حکمران کا ایک دن ۶۰ سال کی نفلی عبادت سے بہتر ہے اور ایک شرعی سزا جو حق و انصاف کے ساتھ زمین میں قائم کی جاتی ہے تو یہ چالیس روز کی بارش سے زیادہ برکت لاتی ہے۔

(ج) ثلاثة لاترددعونهم الصائم حتى يفطر والا مام العادل و دعوة المظلوم (۲۶)

تین افراد کی دعا رد نہیں کی جاتی، روزہ دار کی، عادل حکمران کی اور مظلوم کی۔

(د) افضل الناس منزلة يوم اقيامه امام عادل رفيق و شر عباد الله منزلة يوم القيامه امام جائر خرق (۲۷)

قیامت کے روز تمام لوگوں سے بہترین مرتبے پر فائز نرمی کرنے والا عادل حکمران ہوگا اور قیامت کے روز تمام لوگوں سے مرتبہ میں بدترین شخص سختی کرنے والا ظالم حکمران ہوگا۔

(ھ) ان المقسطين عندالله على منابر من نور من يمين الرحمان عزوجل و كلتا يديه يمين، الذين يعدلون فى حكمهم واهلهم دماولوا (۲۸)

انصاف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے قریب نور کے ممبروں پر خدائے مہربان کے دائیں ہاتھ پر بٹھائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ دائیں ہی رہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حکومت کے معاملات میں بھی انصاف کرتے ہیں، اپنے گھر والوں کے مابین بھی انصاف کرتے ہیں۔

یہ اور ان کے علاوہ اور کئی احادیث عدل کی اہمیت وضرورت کو واشگاف لفظوں میں واضح کرتی ہیں۔

عدل کی تاریخی حیثیت

جب سے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کو بھیجا اس وقت سے ایسے لوگ اور

قومیں آتی رہیں جو عدل پر کاربند رہیں، قرآن مجید میں ہے۔

ومن خلقنا امة يهدون بالحق و به يعدلون (۲۹)

ہماری مخلوقات میں سے ایک ایسا گروہ بھی ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور حقوق کے سلسلہ میں عدل وانصاف سے کام لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا:

فاستقم كما امرت ولاتتبع اهوائهم وقل امنت بما انزل الله من كتاب و امرت لا عدل بينكم (۳۱)

''جس طرح آپ کو کہا گیا اسی طرح صراط مستقیم پر قائم رہو اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کرو اور کہدو کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب نازل کی ہے اس کی صداقت پر میرا کامل ایمان ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے درمیان عدل وانصاف پر مبنی فیصلے کروں۔''

یہ اور ان جیسی کئی دوسری آیات یہ واضح کرتی ہیں کہ جب سے انسان کو تخلیق کیا گیا اس وقت سے عدل وانصاف کی ضرورت واہمیت پر زور دیا جاتا رہا اور جتنی انسان کی تاریخ قدیم ہے اتنی ہی عدل وانصاف کو برقرار رکھنے کی ہدایات وتعلیمات قدیم ہیں۔

عدل کی قسمیں

عدل کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ قانونی عدل (Judicial Justice)

۲۔ عمرانی عدل (Social Justice)

قانونی عدل وہ ہے جو عدالتوں کے ذریعے لوگوں کو اپنے حقوق کی بازیابی کے سلسلے میں میسر آتا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی ''اسلامی نظام عدل'' پر مبنی رپورٹ میں قانونی عدل کی یوں تعریف کی گئی ہے۔

''عدل قانونی سے مراد فریقین تنازعہ کے مابین نزاع کا قانون کے مطابق عدالت کا فیصلہ دینا۔'' (۳۲)

اور عمرانی عدل کے معنی ہیں ہر صاحب حق کو اس کا حق دے دینا، خواہ یہ سربراہ حکومت کے ذریعہ ہو یا سربراہ محکمہ یا سربراہ عدالت یا کسی اور فرد کے ذریعہ سے ہو۔

عمرانی عدل زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے اور اس کا دائرہ کار اتنا وسیع ہے کہ قانونی عدل کو بھی اپنے احاطہ میں لے لیتا ہے کیونکہ عدالتیں بھی معاشرہ اور سماج کا ایک حصہ ہیں۔

اس عمرانی عدل کی کئی نظائر تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ یہاں پر میں صرف ایک مثال دے کر اس پر بحث ختم کرنا چاہتا ہوں۔ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے یہودی کو دیکھا کہ وہ بھیک مانگ رہا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے پوچھا کہ کیوں بھیک مانگ رہے ہو تو انہوں نے عرض کی ایک تو مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے اسے ادا کرنے کی ہمت نہیں ہے۔ دوسرا میں ضرورت مند ہوں اور تیسرا میں بوڑھا ہو چکا ہوں، روزی کمانے کی ہمت باقی نہیں رہی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسے اپنے گھر لے آئے اور کچھ نقد اپنے ہاں سے اسے عطا کی اور بیت المال کے انچارج کو کہلا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جائے۔ خدا کی قسم یہ انصاف نہیں کہ ہم ان کی جوانی سے تو فائدہ اٹھائیں اور ان کے بڑھاپے کے وقت انہیں بے یارو مددگار چھوڑ دیں اور ساتھ ہی قرآن مجید کی اس آیت سے دلیل دی:

انما الصدقات للفقراء والمساكين (۳۳)

ثم قال فالفقراء هم المسلمون و هذا من المساكين من اهل الكتاب و وضع عنه الجزية و عن حزبائه

فرمایا: فقراء سے مراد مسلمان غریب لوگ ہیں اور مساکین سے مراد اہل کتاب غریب لوگ ہیں اور یہ ان میں سے ایک ہے لہذا اس سے اور اس جیسے دوسرے اہل کتاب سے جزیہ نہ لیا جائے۔ (۳۴)

وما توفیقی الا باللہ العظیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

المراجع

۱۔ سورہ الفاطر۔۲۴ ۲۔ سورہ الحدید۔۲۵

۳۔ ابن منظور جمال الدین/لسان العرب/ایران: نشر ادب الحوزہ ۱۱۔۴۳۴

۴۔ سورہ الطلاق۔۲ ۵۔ سورہ النساء۔۵۸

۶۔ سورہ الانعام۔۱۵۲ ۷۔ سورہ البقرۃ۔۱۲۳

۸۔ سورہ الانعام۔۱ ۹۔ سورہ النساء۔۱۲۹

۱۱۔ لسان العرب/۱۱/۴۳۱۔۴۳۲

۱۲۔ میر السید الشریف الجرجانی/کتاب التعریفات/طبع ترکیا۔۹۸

۱۳۔ سورہ النحل۔۷۶ ۱۴۔ سورہ الحدید۔۲۵

۱۵۔ سورہ فصلت۔۳۰۔۳۱

۱۶۔ ابن کثیر عماد الدین/البدایۃ والنہایۃ/بیروت: دار الفکر/۹/۲۲۱۔۲۲۳

۱۷۔ نفس المرجع/۹/۲۳۳

ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی/دلائل النبوۃ/پاکستان: المکتبہ الاشریہ ۶/۴۹۳

۱۸۔ سورہ النحل۔۹۰ ۱۹۔ سورہ النساء۔۵۸

۲۰۔ سورہ النساء۔۱۳۵

۲۱۔ متفق علیہ: انظر صحیح البخاری مع حاشیۃ السندی/کتاب الحدود/باب کراہیۃ الشفاعۃ فی الحد اذا رفع الی السلطان/۴/۱۷۳۔ وصحیح مسلم مع شرح النووی/کتاب الحدود/باب حد السرقۃ/۱۱/۱۸۷

۲۲۔ سورہ المائدہ۔۸ ۲۳۔ مصنف ابن ابی شیبہ ابی بکر/۱/۵

۲۴۔ سنن الترمذی/ابواب الاحکام/۱/۱۹۳

۲۵۔ ابن الاثیر الجزری/جامع الاصول/۴/۳۴۰

المنذری عبد العظیم/الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف/طبع دمشق/۳/۶۲

۲۶۔ الترغیب والترہیب/۳/۶۶ ۲۷۔ نفس المرجع/۳/۶۲